شبلی نعمانی کے "سیرت النبیؐ" میں بیان کردہ تحقیقی اصول کی تحقیق

Research principles described in Shibli Nomani's "Sira al Nabawi"

*ڈاکٹر زینت بی بی
**ڈاکٹر بسمینہ

Abstract

Biography of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) has been a favorite subject for Muslims in every age. Other nations also had to acknowledge the glory of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) and his scholars and writers also made biography the subject. This article deals with the principle of research propose by Shibli Nomani for his famous book Sirat-un-Nabawi or biography of our Holy Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him). In Sirat-un-Nabwi, Maulana Shibli Nomani has explained the basic and universal principles of research which will always be a source of guidance in the field of research. We noticed that the scholarship has been very careful to accept or reject a statement by a person regarding the life of our Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him).In this article the researcher has given example of the statements rejected by Shibli Nomani. Although this book could not be published in the life of Maulana Shibli. Its credit goes to his student Syed Sulaiman Nadvi. Who printed the first two volumes from the pen of Maulana Shibli and then completed the rest of the proposed sketch of his teacher by writing the remaining volumes himself.

Key words: *Shibli Nomani,Sirah al Nabawi, research priciples*

تاریخ نگاری اور سیرت نگاری کے حوالے سے مولانا شبلی نعمانی کا نام اردو ادب میں نہایت اہم اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً "سیرت النبیؐ" کے حوالے سے انہوں نے تحقیق کے نئے زاویے روشناس کرائے ہیں۔ "سیرت النبیؐ" میں اُنہوں نے تحقیق کے حوالے سے کچھ اُصول بھی مرتب کیے ہیں ۔جو درایت اور روایت پر مبنی ہیں۔ یہ

*اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو ، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور
**صدر شعبہ اُردو ، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور

اُصول نہ صرف سیرت النبیؐ یا حضرت محمد ﷺ اور اس کی ذات پاک پر لکھنے کے حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں بلکہ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کا قرآن پاک میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی بدولت تحقیقی کام کو منفرد بنایا جا سکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: تحقیق، روایت، درایت، سیرت، عقلی دلائل، محقق، سوانح، فقہ، تصنیف، شہادت۔

اردو ادب سے تعلق رکھنے والے ایسے کئی لکھاری ہیں جنہوں نے فن پارے تخلیق کرتے وقت سوچا بھی نہ ہو گا کہ وہ ایک تاریخ رقم کر رہے ہیں یہ وہ خوش نصیب لکھاری ہیں جنہوں نے تحریر کے میدان میں ایسے یادگار نمونے چھوڑے جن کی اہمیت میں صدیوں بعد بھی کمی نہیں آئی۔ ان نامور شخصیات میں ایک نام شبلی نعمانیؒ کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب "سیرت النبیؐ" میں قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ آپ بیک وقت انشاپرداز، تاریخ نگار، شاعر، ناقد اور سوانح نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اگرچہ انہوں نے کوئی ڈرامہ، افسانہ، یا ناول نہیں لکھا مگر اس کے باوجود ادبی دنیا میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی کا دور

کسی بھی کتاب پر تحقیق کے لیے جن بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے اس میں مصنّف کا علمی مقام جس زمانے میں یہ تصنیف کی گئی ہے اس کے حالات کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ شبلیؒ کا دور 1857ء کے بعد کا زمانہ تھا جب مسلمانوں میں سیاسی شعور نہ ہونے کے برابر تھا اور لوگوں میں علم و آگہی کے لیے علماء کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ اکثر علماء جذباتیت کا شکار تھے عصری علوم اور سیاسی شعور ناپید تھے۔ ایسے میں شبلی جیسے رہنما کو شدّت سے اس بات کا احساس تھا کہ کہیں مسلمان اقوام عالم سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس کا حل اُنہوں نے مسلمانوں میں علم و آگہی اور سیاسی شعور بیداری کی صورت میں تلاش کیا اس دور میں اسلام اور مسلمان دونوں مغلوب تھے اہل مغرب اسلام کے خلاف شازشوں میں مصروف تھے اور اسلامی تاریخ پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھا رہے تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام اور تاریخِ اسلام سے متعلق حقائق کو سامنے لانا ضروری تھا جسے ''سیرت النبی'' کی صورت میں بیان کیا گیا۔ چونکہ شبلی اور سر سید دونوں کا تقریباً ایک ہی دور تھا جو کام شبلی نے ''سیرت النبی'' میں کیا ہے وہی کام سر سید نے "خطبات احمدیہ" میں کیا ہے۔ گویا کہ شبلی نعمانی کے ذہن میں "سیرت النبیؐ" کا تصوّر سر سید کی تحریرات سے آیا۔ اسی لیے تنقید و تاریخ نگاری میں ان کے خیالات انتہائی واضح اور جرأت مندانہ ہیں حالی کی طرح انہوں نے اُمّت کے سامنے تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کے کارنامے بیان کیے اور سر سیّد کی طرح اسلام اور اہل اسلام کے خلاف

اعتراضات کے مدلل جوابات دیتے رہے اور جذباتیت کے مقابلے میں سچائی کے اصولوں پر کاربند رہے۔اُنہوں نے تاریخی واقعات اور مذہبی معلومات کے لئے سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا۔

اس پس منظر سے معلوم ہوتا ہے ان کھٹن حالات میں "سیرت النبیؐ" کے حوالے سے کام کرنا اُن کا بہت بڑا کارنامہ ۔انہوں نے اس سلسلے میں خاصا مواد اکٹھا کیا تھا مگر زندگی نے ان سے وفا نہ کی اور وہ 1914ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔اس وقت تک "سیرت النبیؐ" کی صرف دو جلدیں پایہ تکمیل کو پہنچیں تھیں جس کی تکمیل کا بیڑا ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے اٹھایا شبلی کا تحقیقی اور تنقیدی شعور اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ چنانچہ سید سلیمان ندویؒ ان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "تصنیفات کے بیسوں موضوع ان کے ذہن میں برسوں چکر لگاتے تھے اس دوران وہ اس کے متعلق تمام ممکن الحصول مواد کا مطالعہ کرتے۔ جس مسئلے کو جتنا اہم سمجھتے اتنی ہی اس کی تحقیق پر توجہ دیتے اور جو رائے قائم کرتے اس سے مشکل سے تجاوز کرتے۔ ان کی تصانیف پر بیشتر اعتراضات تحقیقی نکتوں سے متعلق ہیں"[1]

دراصل شبلی نعمانی نے جو کچھ لکھا انتہائی تحقیق اور سوچ وبچار کے بعد اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا دوسروں کے لئے ان کی تحقیق کی مشعل راہ بننے کی یہی وجہ ہے۔ان کی ادبی کاوشوں میں تنقیدی و تحقیقی شعور ان کی تصنیفات کا درجہ بڑھا دیتے ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شبلی نعمانی نے "سیرت النبیؐ" میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جس کی بدولت اس کی رعنائی کو چار چاند لگ گئے ہیں نہایت مؤثر اور اور دل نشین انداز سے واقعات کو بیان کیا ہے۔ واقعات کے بیان میں ایسا طرز تحریر اختیار کیا گیا ہے کہ اس کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے واقعات کی مصوّری انتہائی دلچسپ انداز میں کی ہے جس کی تاثیر اور دل نشینی دیرپا ہے۔مگر چونکہ ہمارا موضوع تحقیق سے متعلق ہے لہٰذا یہاں "سیرت النبیؐ" کی صرف تحقیقی نقطہ نظر سے ہی اہمیت بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔شبلی نعمانی نے "سیرت النبیؐ" کی جلد اوّل میں تحقیق سے متعلق مفید اور جامع اصول کا ذکر کیا ہے۔جن سے ہم موجودہ دور میں تحقیق کے میدان میں استفادہ کر سکتے ہیں۔ان کی وضع کردہ اصولوں کو جدید تحقیق میں نہ صرف کام میں لایا جاسکتا ہے بلکہ ان سے اس سلسلے میں کافی رہنمائی بھی ملتی ہے۔

تحقیق (معانی واقسام)

لفظ "تحقیق" کے معنی تلاش، جستجو، غور وفکر، دریافت، ڈھونڈ، کھوج اور چھان بین کے ہیں۔ زندگی کے مختلف مراحل میں انسان کا تحقیق سے واسطہ پڑتا ہے بلکہ انسان کی فطرت میں ابتدا ہی سے مختلف انداز سے کھوج اور دریافت کا پہلو موجود رہا ہے۔ کائنات اور صفتِ انسانی کو جاننے اور سمجھنے کے لیے طرح طرح کے سوالات ذہن میں آتے ہیں جیسے کہ ڈرائی کلین کرنے والا پہلے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ دھبہ کس چیز کا ہے؟ اس کو کیسے صاف کیا جا سکتا ہے یا جس طرح ڈاکٹر اور حکیم نسخہ تجویز کرنے کے لیے مرض کے اسباب جاننے کی کوشش کرتا ہے یہ تمام تحقیق کی صورتیں ہیں۔

انگریزی میں اس کے لیے " Research" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی توجہ سے تلاش کرنا یا دوبارہ تلاش کرنے ہیں۔ گویا ریسرچ" Research" حقیقتِ پنہاں یا مبہم حقیقت کو افشاں کرنے کا عمل ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ تحقیق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "تحقیق کا معنی کسی شے کی حقیقت کا اثبات ہے۔ اصطلاح میں اس طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔"[2]

ڈاکٹر سلطانہ بخش تحقیق کے بارے میں لکھتی ہیں: "تحقیق میں تلاش و جستجو کے اعمال کو تمام قوتِ ارادی سے جاری رکھنے کا نام ہے۔ یہ فن بہت ذمہ داری خلوص اور حقیقت پسندانہ کاوش کا متقاضی ہے۔ سچائی کی تلاش مطالعہ، مشاہدہ، موازنہ اور تحریر کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اس تلاش میں محقق کی سوچ حقائق پر اثر انداز نہیں ہوتی اور حقائق تک پہنچنے سے پہلے محقق اپنے متعین کردہ مفروضوں کو مفروضہ ہی سمجھتا ہے۔"[3]

تحقیق کے لیے بنیادی شرط محنت لگن، دلچسپی اور اخلاص ہے۔ اس سفر میں حقیقت مندانہ رویہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ایک محقق اپنے ذہن میں پہلے سے موجود سوچ کو کسی بھی صورت حقائق پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا بلکہ حقائق کو جانچنے کے بعد ہی کسی فیصلے پر اکتفا کرتا ہے۔ تحقیق کے عمل میں محقق کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "تحقیق تلاش کا نام ہے لہذا محقق جادہ پیماں ہوتا ہے۔ مگر حق کی جادہ پیمائی سہل نہیں اس میں سخت مقام بھی آتے ہیں۔ بعض اُمور میں محقق جاسوس کی مانند ہوتا ہے۔"[4]

تحقیق کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ایک عملی اور دوسری علمی۔ عملی تحقیق میں طبّی علوم، زراعت اور باغبانی وغیرہ کے شعبہ آتے ہیں۔ جب کی علمی تحقیق میں نظریات، معاشرتی رویے اور اور مختلف رجحانات وغیرہ سے متعلق بحث ہوتی ہے۔

ادبی تحقیق بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ جس کا مقصد اُن مصنفین، ادوار، علاقوں، کتابوں اور متفرق تخلیقات جن کے بارے میں لوگوں کی معلومات کم ہوں کے بارے میں معلومات دریافت کرنا اور جستجو اور تالاش کے ذریعے ان معلومات میں اضافہ کرنا یا دستیاب معلومات کی جانچ پڑتال کر کے ان میں غلط اور درست کی تمیز کرنا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں تحقیق کی اہمیت

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اپنے ارشادات کے ذریعے تحقیق اور غور و فکر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی آیات ہیں جو انسان کو زندگی کے مختلف مراحل پر دعوتِ فکر اور دعوتِ تحقیق دیتے ہیں۔ فرمان باری تعالی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ[5]

"آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں "

یعنی دن رات کے بدلنے اور زمین و آسمان میں تحقیق کے حوالے سے کافی سامان موجود ہے۔ پس عقل رکھنے والوں کو اللہ تعالی دعوتِ تحقیق دیتا ہے:

"وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَاوَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ"[6]

"اور ہم نے ایسے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جس سے وہ نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جس سے وہ نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

ان آیات مبارکہ میں تحقیق نہ کرنے والوں کو چوپایوں سے بھی بدتر گردانا گیا ہے جو ان کی مذمت کا سبب ہے لیکن

ساتھ ساتھ اسی آیت کریمہ سے تحقیق اور تدبر کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :''

'' اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا"[7]

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں"

اسی طرح ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ "[8]

"یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے اس لیے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں ۔"

اس اور اس جیسی دیگر متعدد آیات سے تحقیق اور تدبر کی افادیت معلوم ہو رہی ہے جن میں انسانوں کو غور و فکر اور تحقیق کی دعوت دی گئی ہے۔ چونکہ اسلام فطری دین ہے اس کے احکامات کو زمان اور مکان کے مطابق کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور انسان سے اس بات کی توقع ہے کہ وہ چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرنے کی بجائے تحقیق کے بحر عمیق میں غوطہ زن ہو اور غور و فکر کا دامن ہر گز نہ چھوڑے۔ لیکن حقیقت تک رسائی کے لیے محققین کی جانب سے کچھ ایسے اصول مقرر کیے گئے ہیں جن کی رعایت مقصود تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ تحقیق کے ان اصولوں کی نشان دہی مولانا شبلی کے ہاں واضح طور پر ملتی ہے۔

شبلی نعمانی کا تحقیقی طریقہ کار

مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "سیرت النبیؐ "کو تصنیف کرنے کے لیے کچھ اصول مقرر کیے ہیں ۔

"سیرت النبیؐ "میں قلم بند کیے گئے واقعات تقریباً نبوّت کے سو(100) برس بعد کے ہیں۔ قدیم مصنّفین کے ہاں تحریر کا ماخذ کتاب نہیں بلکہ زبانی روایتیں تھیں یہی وجہ ہے کہ دوسری اقوام نے سنی سنائی اور من گھڑت واقعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا جن میں راویوں کا نام و نشان تک نہیں ملتا جس کی وجہ سے جھوٹے اور من گھڑت واقعات اُن کی تحریروں کا حصہ بنے۔

اس کے برعکس مسلمانوں نے فنِ سیرت کے لیے پہلا اصول یہ مقرر کیا کہ واقعہ شریکِ واقعہ سے لیا جائے اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر واقعہ میں شریک راویوں کا نام ترتیب سے ذکر کر کے ان کے حالات کی چھان بین کی جائے کہ ان کا چال چلن ، علمی حالت، مشاغل اور ذہنی سطح کیسی ہے؟ یہ لوگ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟۔

ان جزوی باتوں کا کھوج لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ہزاروں محدّثین نے اپنی عمریں اس کام میں صَرف کر دیں وہ شہر شہر جاکر موجود لوگوں کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے جو لوگ موجود نہ تھے ان کے بارے میں دیکھنے والوں سے معلومات اکٹھی کرتے اسماءالرّجال کا علم انہی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ جو ہمیں لاکھوں لوگوں کے زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے جس کی تعداد ڈاکٹر سپر نگر کے مطابق پانچ لاکھ کے قریب ہے۔

تحقیقی اصول "روایت"

شبلی نعمانی کی تحقیق کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ راوی نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں حقیقت کتنی ہے اور راوی کا قیاس کس قدر ہے۔ مثال کے طور پر جب نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر خلوت نشین ہوئے تو یہ مشہور ہوا کہ حضورؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی۔ مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام میں یہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی حضرت عمرؓ کو جب اس کا علم ہوا تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اسی طرح ولید بن عقبہؓ کو حضورؐ نے قبیلہ بنو مصطلق والوں کے پاس زکوۃ اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا تھا جب وہ پہنچے تو لوگ ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ ولید بن عقبہ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ لوگ اس کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں وہ واپس ہوئے اور حضورؐ کو خبر دی کہ وہاں کے لوگ باغی ہو گئے ہیں۔ حضورؐ نے ان کی سرکوبی کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ"[9]

"جب بھی فاسق کوئی خبر لائے تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ضرر پہنچا دو کسی قوم کو نادانی سے، پھر ہونا پڑے تم کو اپنے کیے پر نادم۔"

تحقیق کا دوسرا اہم اصول جس کی موصوف نے رعایت رکھی ہے وہ اتصال سند اور شہادت ہے کیونکہ سند کے انقطاع سے روایت کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی ولادت کے بارے تمام روایات کو اس لیے منقطع قرار دیا گیا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کا ہم عمر نہیں تھا اس لیے اس حوالے سے مستند حوالے کا ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر بیگ احساس لکھتے ہیں: " تحقیق میں بھی علامہ نے یہی رویہ اختیار کیا کہ وہ کسی واقعے کو نہ تو

صاحب سوانح کی عظمت وعقیدت کی وجہ سے مان لیتے اور نہ محض اس بناپر تسلیم کرتے ہیں کے کسی تاریخ یا تذکرے میں خواہ وہ کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو اس کا ذکر ملتا ہے بلکہ وہ روایت کے ساتھ درایت کے ذریعے بھی واقعے کی چھان بین کرتے ہیں۔"[10]

اسی طرح شہادت کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے واقعہ جتنا اہم ہو گا شہادت بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہو گی ۔مثال کے طور پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے ایک عورت نے (جو میت کی دادی تھی) میراث کا دعوی کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں دادی کی میراث مذکور نہیں اور نہ ہی حضورؐ کی اس بارے میں مجھے کوئی روایت معلوم ہے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے شہادت دی کہ حضورؐ دادی کو چھٹا حصہ دیا کرتے تھے۔ واقعہ چونکہ اہم تھا اس لیے ابو بکر صدیقؓ نے تنہا شہادت ایسے واقعے کے لیے کافی نہیں سمجھی جب تک ایک اور صحابی محمد بن مسلمہؓ نے شہادت نہیں دی۔

تحقیقی اصول "درایت"

"سیرت النبیؐ" میں تحقیق کے حوالے سے تیسرا اصول "درایت" ہے۔ درایت سے مراد عقلی طور پر پرکھنا ہوتا ہے یعنی ذکر کیے گئے کا وقوع عقلی طور پر ممکن بھی ہے ۔جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تو اس کی تصدیق یا تکذیب کے لیے سب سے پہلے راویوں کے نام جاننا اور پھر ان کے حالات کی تحقیق کرنا ضروری تھی۔ مگر مذکورہ واقعہ میں رائج تحقیقی اصولوں کو خلاف عقل ہونے کی وجہ سے یکسر نظر انداز کر دیا اور آپؓ کی بے گناہ کو ثابت کیا گیا ۔قرآن کریم نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا-وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ"[11]

ترجمہ: "اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں۔ سبحان اللہ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔"

آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شخصیت اور آپ کا کردار اس نوعیت کا نہیں کہ ان سے متعلق تہمت کو سنا جاتا یعنی اللہ کی طرف سے دی ہوئی عقل کو استعمال میں لایا جائے اور اس طرح کی خبروں کو عقلی بنیاد پر رد کیا جائے۔

دوسری مثال حضرت یوسفؑ کی ہے عزیزِ مصر کی بیوی "زلیخا" نے جب حضرت یوسفؑ پر الزام لگایا جسے عقلی بنیادوں پر رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِنْ كَانَ قَمِيْصُه قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ "[12]

ترجمہ: "اگر قمیض (کُرتا) آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور اگر پیچھے کی جانب سے کُرتا پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے۔ اور یوں یوسفؑ سچوں میں سے ہیں۔"

بہت سی احادیث کہ جو درایت کے اصولوں کے خلاف ہیں یعنی خلافِ عقل ہیں یا موضوعی۔ مثلاً "کدو کو ذبح کیے بغیر نہ کھائیں" یہ عقل کو کسی بھی صورت گوارہ نہیں جب اللہ نے عقل دی ہے تو بات کو پہلے عقل و فہم کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ کیونکہ ذبح کرنے کا حکم تو زندہ اور حلال جانوروں کے بارے میں دیا گیا ہے سوائے مچھلی کے۔ اس کی اور مثالیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات خلاف عقل اس لیے ہے کہ کسی چیز کے پکانے کے ساتھ آگ لازم ہوتی ہے۔

روایتوں کے بارے میں بنیادی اصول

احادیث سے متعلق روایتوں کے بارے میں جو بنیادی اصول شبلی نے "سیرت النبیؐ" میں بیان کیے ہیں وہ بھی اہمیت کے حامل ہیں ۔ مثلاً وہ روایت جو خلاف عقل ہو ، مسلمہ اصولوں یا محسوسات کے خلاف ہو، یا اس میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ کیا گیا ہو، روایت رکیک المعنی ہو (مثلاً کدو کو ذبح کرنے والی حدیث)۔ متفرّد ہو، لقاء ثابت نہ ہو۔ جس روایت میں ایسا قابلِ اعتبار واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر اس کا وقوع ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کی روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو، ایسی ضعیف روایتوں کو مولانا شبلی نے قبول نہیں کیا۔ مثلاً خیبر کے واقعات میں ارباب سیر نے ایک غلط روایت نقل کی ہے جو متداول بھی ہے۔ کہ اوّل آپؐ نے یہود کو رازنہ چھپانے کی شرط پر امن دیا لیکن جب کنانہ ابن ابی الحقیق نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو خزانہ معلوم کرنے کے لیے سختی کا حکم دیا حضرت زبیرؓ خزانہ معلوم کرنے کے لیے اس کا سینہ چقماق جلا کر داغتے رہے۔ یہ روایت حدیث کی کتابوں میں منقول ہے مگر مولانا شبلیؒ نے از روئے روایت اس حدیث کو قبول نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں: "مولانا شبلیؒ اس کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اتنی سختی کرنا کہ اس کے سینے پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے، رحمت اللعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔ اور خاص کر وہ شخص جو

اپنے زہر دینے والے سے بھی تعرض نہیں کرتا کیا چند سکوں کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے ۔؟"[13]

شبلی نعمانی کے ہاں حدیث کے نامعتبر ہونے سے متعلق چند اصول

1۔ جس حدیث میں ایسی لایعنی باتیں ہوں جو منصب نبوّت کے مناسب نہ ہوں۔ مثلاً(لا اله الا الله) کہنے والے کے لیے اللہ تعالی ستر زبانوں والا پرندہ پیدا کرتا ہے اور ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتی ہیں۔

2۔ وہ حدیث جو کہ مشاہدہ کے خلاف ہو۔ مثلا یہ کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

(شبلی کی یہ بات معقول اس لیے ہے کہ بینگن کی تاثیر گرم ہوتی ہے جو یرقان کے مریض کے لیے نقصان دہ ہے)۔

3۔ وہ حدیث جو واقع کے خلاف ہو، مثلاً دھوپ میں رکھے پانی سے غسل کرنا برص کا سبب ہے یہ خلاف عقل ہے کیونکہ دریاؤں ندی نالوں کا پانی دھوپ سے گرم رہتا ہے لہذا یہ باتیں درست نہیں۔

4۔ وہ حدیث جو کہ انبیاءؑ کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہوں۔ جیسے تین چیزیں نظر کو ترقی دیتے ہیں سبزہ زار، آب رواں اور خوبصورت چہرہ۔ (کیونکہ انبیاء کرام اس طرح کی باتوں سے گریز کرتے ہیں جس میں شرم ہو حیا کی پامالی ہو)

5۔ اسی طرح وہ حدیثیں جن میں ایسی پیشین گوئیاں کی گئی ہوں جن کے لیے وقت متعیّن ہو۔ کیونکہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔

6۔ وہ احادیث جو طبیبوں کے کلام سے مشابہہ ہوں مثلاً حریسہ کھانے سے قوت آتی ہے اور مسلمان شیریں ہوتا ہے اور وہ شیرینی کو پسند کرتا ہے۔

7۔ وہ احادیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں۔ مثلا عوج بن عنق کا قد تین ہزار (3000) گز تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے زمانے کے لوگ طویل القامت ہوتے تھے لیکن اتنے بھی نہیں جتنا کہ یہاں مذکور ہے)۔ یہ خلاف اصل ہے۔

8۔ وہ احادیث جو قرآن مجید کے معارض ہوں مثلا دنیا کی عمر سات ہزار (7000) برس ہے۔ اس روایت کو صحیح ماننے سے ہر شخص دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بتا سکتا ہے۔ چونکہ علم نجوم میں بھی مستقبل کے حالات کی خبر ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو ممنوع کیا گیا ہے۔

یہ وہ نکات ہیں جن کی بدولت مولانا شبلی کی تحقیق کو اہمیت حاصل ہے۔انہوں نے تاریخ نگاری اور سیرت نگاری کے حوالے سے قابل تقلید اصول مرتب کیے ہیں۔ان کی تحقیق کے حوالے سے ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "مولانا شبلی چونکہ نہایت پختہ اور رچا ہوا تاریخی شعور رکھتے تھے۔تاریخ نگاری کے جدید اصول وآداب سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے تصنیفِ سیرت کے دوران اس ذوق سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور "سیرت النبیؐ" کو سیرت کی قدیم کتابوں کے انداز میں لکھنے کی بجائے تاریخ نگاری کے نئے اصولوں کے مطابق تصنیف کیا۔آج کل کی مروجہ اصطلاح کے مطابق یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس تصنیف میں انہوں نے عصری تقاضوں کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔"[14]

نتائج بحث

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبلی نعمانی نے تحقیق سے متعلق "سیرت النبیؐ" میں جو اصول واضح کیے ہیں ،چاہے وہ روایت سے متعلق ہوں یا وہ درایت سے اہمیت کے حامل ہیں۔روایت کے اصولوں میں اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ روایت میں اصل واقعہ تک سلسلہ منقطع نہ ہو۔واقعہ کی نوعیت کے لحاظ سے شہادت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔نیز روایت میں قیاس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

مذہبی یا دینی نوعیت کے موضوعات میں "سیرت النبیؐ" میں وضع کردہ اصولوں کی اہمیت تو اپنی جگہ ادبی تحقیق میں بھی ان ہی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔دراصل شبلی نعمانی نے جو کچھ بھی لکھا انتہائی سوچ بچار کے بعد اس کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا انہوں نے تحقیق کی اور متعلقہ مسئلہ یا واقعہ پر ہر طرح سے غور و فکر کیا یہی وجہ ہے کہ ان کی تحقیق دوسروں کے لئے آج تک مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ان کی ادبی کاوشوں میں تحقیقی شعور ان کی تصنیفات کا درجہ مزید بڑھا دیتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔کسی ادبی شخصیت،اس کے فن اور تخلیقات کے حوالے سے سچ کو سامنے لانے کے لیے لکھتے وقت انہی کے اُصولوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے اگر سچائی پر شبہ ہو تو معیار قائم نہیں رہتا۔اس سے تحریر کے حسن میں کمی رہ جاتی ہے اگر تحریر میں حسن نہ ہو یا اصل واقعات کا سلسلہ منقطع ہو تو قاری اجنبیت محسوس کرتا ہے اور تحریر میں کمی کا عنصر نمایاں رہتا ہے۔درایت کے حوالے سے اصول بھی جدید تحقیق میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔مشہور سائنسدان ڈراون نے ارتقاء سے متعلق نظریہ پیش کیا۔جس کی رو سے تمام انسان اور بندر ایک ہی "اوریجن"(Origin) سے تعلق رکھتے ہیں۔

The Origin of species by means of nature selection, Charles Darwin 24 Nov 1859

انہوں نے انسان اور بندروں کے درمیان پائی جانے والی مماثلت کی بناپر یہ کہا کہ دونوں کے آباواجداد ایک ہیں۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ آنے والی تبدیلیوں کی وجہ سے دونوں کی مشابہت میں رونما ہونے والے اختلاف نے دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا کیوں کہ یہ نظریہ درایت کے منافی ہے اسی بناپر جدید تحقیق میں بھی اسے رَد کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس نظریے کو بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن کریم میں انسانوں کو بندر بنانے کا ذکر بطور سزا کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

" الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ"[15]

ترجمہ: "اور یقیناً تم جانتے ہو ان لوگوں کو جو حد سے تجاوز کر گئے تھے تم میں سے سبت (ہفتے کے دن) میں، تو کہا ہم نے کہ ہو جاو بندر ذلیل وخوار۔"

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندر پہلے سے جدا مخلوق کی صورت میں اس دنیا میں موجود تھے البتہ جب اللہ تعالی نے انسانوں کو سزا دینا چاہی تو ان پر پھٹکار کرتے ہوئے بندر بنا دیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ بندروں کی نسل انسانوں سے چلی ہے قطعاً غلط ہے کیوں کہ انہیں تو بندر بنا کر سزا دی گئی تھی جو کچھ عرصہ زندہ رہے اس کے بعد ان پر موت طاری ہو گئی تھی۔

خلاصہ بحث

دیگر رہنماؤں کی طرح شبلی بھی اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ چاہتے تھے جس کا اندازہ ان کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ مگر وہ حالات کی نزاکت اور اس کے تقاضوں کا ادراک رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی تحریروں تقریروں میں جذباتیت کی بجائے مستحکم دلائل کا سہارا لیا۔ اور تصنیف کے میدان میں شعراء اور ادبا کی بجائے ان عظیم شخصیات کا انتخاب کیا کہ جن کی پیروی سے مسلمان قوم کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سیرت النبی ﷺ کے علاوہ الفاروق، المامون، النعمان اور الغزالی جیسے عنوانات کا انتخاب کیا ان تحریرات میں انہوں نے روایات جمع کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انتہائی تحقیق کے بعد اپنے نکتہ نظر کو ذکر کیا ہے اور بعض اوقات تنقید بھی کی ہے ۔ انہوں نے امام بخاری و مسلم کی طرح سیرت نگاری میں بھی ضعیف اور موضوعی واقعات کے انتخاب سے اجتناب کیا ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید تحقیق میں شبلی کی کتاب "سیرت النبیؐ "میں وضع کردہ اصولوں کی اہمیت آج بھی برقرار ہے

کیونکہ وہ اصول قرآن مجید سے اخذ کیے گئے ہیں جو رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے جس کی اہمیت ہمیشہ کے لیے ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے اصول زمان و مکان کی قید سے ماوراء ہیں اسی نسبت سے شبلی نعمانی کے وضع کردہ اصولِ تحقیق بھی تحقیقی میدان میں ہمیشہ جاوداں رہیں گے۔

Refrences

[1] Syed Sulaima al Nadvī, Containing "A Study of Maulānā Shiblī Nomanī, Maktab Style Karachi 1986,vol:1 pg: 108

[2] Dr. Syed Abdullah, including "Principles of Research in Urdū", Urdu Academy Lahore 2012,vol:2 pg: 33

[3] Sultāna Bakhsh, "Principles of Research in Urdu", M. Urdu Academy Lahore, 2012,vol:2, pg: 7

[4] Dr. SalÊm Akhtar, "Collection of Dr. Saleem Akhtar", Milestone Publications Lahore,vol:1, 2006, pg:

[5] Al-Imrān 190

[6] Al A'arāf: 179

[7] Muĺammad :24

[8] Ṣād :29

[9] . Al-Ḥujrāt :6

[10] Al-Nūr:12

[11] Dr. Baig Eḥsās, Contents "Urdu Literature Shiblī Number", Anjuman Tarqī Hind New Delhi, Number 12 ,Yusuf :26

[12] Ibid

[13] Maulana Shiblī Nomanī, "Sīrat-un-Nabī", printed in Ma'arif Press

[14] Ẓafar Aḥmad Siddīquī, "Maulana Shiblī as a Biographer",Offset Red Well Delhi,Vol:1 pg: 37

[15] Al-Baqara:65